در کفے جامِ شریعت، در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

بیادگارِ

حضرت ابوالبرکات سید حسن قادری گیلانی

رحمۃ اللہ علیہ

مجلّہ

پشاور

الحسن

شاہ محمد غوث اکیڈمی پشاور کا علمی مجلہ بیادگار حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ

بانی مدیر اعلیٰ حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست اعلیٰ (فقیر) سید محمد نور الحسنین قادری گیلانی

پی ۵۶۵ | رجسٹرڈ نمبر

پندرہ روزہ

الحسن پشاور

مدیر اعلیٰ سید غلام الحسنین قادری گیلانی

جلد نمبر ۱ | شمارہ نمبر ۱۲

جمادی الثانی ۱۴۴۶ھ | ۱۶ تا ۳۱ دسمبر ۲۰۲۴ء

مدیر اعلیٰ سید غلام الحسنین قادری گیلانی نے عکاس پرنٹرز محلہ جنگی پشاور سے طبع کر کے یکہ توت پشاور سے شائع کیا۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	مضمون نگار	صفحہ نمبر
۱	شذرہ	شبیر حسین امام	۲
۲	نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	سلطان محمود ہاشمی	۵
۳	انوارِ غوثیہ شرح الشمائل النبویۃ	سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ	۶
۴	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	ڈاکٹر علامہ زید گل خٹک	۹
۵	فضائل وخصائص امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	محمد قمر صدیقی قادری	۱۱
۶	فکر اقبال کا ایک نادر مخفی ماخذ	سید محمد انور شاہ قادری بخاری	۱۵
۷	غزل	شبیر ساجد مہروی رحمۃ اللہ علیہ	۱۹
۸	شرح در معنی حریت اسلامیہ	ڈاکٹر علامہ زید گل خٹک	۲۰
۹	مولوی جی، ایک اہم درس کی نظر میں	الحاج صوفی مشتاق احمد صدیقی مرحوم	۲۴
۱۰	استفتاء (بچے کو گود لینا)	مفتی احسان احمد پشاوری	۲۸
۱۱	تبصرہ کتب	سید محمد انور شاہ قادری بخاری	۳۱

شذرہ

مایوس تو نہیں ہیں طلوعِ سحر سے ہم

شبیر حسین امام

کسی بھی بحرانی صورتحال سے نمٹنے کے لیے پہلا قدم 'امید' ہوتا ہے اور یہی وہ اُمید ہے جس کے سہارے پاکستان کے نوجوان اپنے بہتر مستقبل کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ قومی اور صوبائی فیصلہ سازوں کو نوجوانوں کے مسائل اور اُن کا محفوظ معاشی مستقبل یقینی بنانے پر توجہ دینی چاہیے کیونکہ اگر نوجوانوں نے 'اُمید' کھو دی تو اِس کے نتیجے میں غصہ، دشمنی، عدم رواداری، بنیاد پرستی، تشدد اور دہشت گردی پروان چڑھے گی جبکہ اِس سے بھی زیادہ خطرناک صورت اِصطلاحی اِعتبار سے ''برین ڈرین'' کہلاتی ہے جس میں نوجوانوں کی اکثریت (بہ اَمر مجبوری) ملک و قوم کی بہتری کے لیے اپنا علم، تجربہ اور ذہانت بروئے کار لانے کی بجائے بیرون ملک منتقل ہونے جیسا مشکل فیصلہ انتخاب کر رہی ہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ پاکستان اپنے قیمتی اثاثے یعنی تعلیم یافتہ اور ہنرمند افرادی قوت کے انخلاء کا سامنا کر رہا ہے۔ وزارتِ خارجہ کے دفاتر اور غیرملکی سفارتخانوں کے باہر درخواست گزاروں کی لمبی قطاریں اِس عوامی روانگی کی خوفناک علامت ہے اور وجہ یہ ہے کہ ایک عام پاکستانی کے لیے 'بنیادی سہولیات' اور 'بنیادی انسانی حقوق' کا حصول ممکن نہیں رہا۔ اپریل ۲۰۲۴ء تک بیرون ملک جانے والے پاکستانیوں کی تعداد ایک کروڑ پینتیس لاکھ تیس ہزار سے تجاوز کر چکی ہے جس کی وجہ سے پاکستان جنوبی ایشیا کا ایسا دوسرا بڑا ملک قرار پایا ہے جہاں سے افرادی قوت کی نقل مکانی ہو رہی ہے اور یہ 'خطرناک رجحان' درحقیقت طرزِ حکمرانی (گورننس) کی ناکامی کی دلیل ہے۔

سال ۲۰۲۳ء میں آٹھ لاکھ باسٹھ ہزار افراد نے پاکستان چھوڑا۔ یہ تعداد ۲۰۲۱ء کے مقابلے میں

قریب تین گنا زیادہ تعداد تھی۔ ان میں بانوے ہزار گریجویٹس اور تین لاکھ پچاس ہزار ہنر مند شامل تھے جن میں پچیس سو سے زائد ڈاکٹرز، چھ ہزار پانچ سو سے زیادہ اکاؤنٹنٹس اور پانچ ہزار پانچ سو چونتیس انجینئرز شامل تھے۔ یہ اعداد و شمار ایک ایسی قوم کی تصویر پیش کرتے ہیں جو اپنے ذہین ترین ذہنوں کی پرورش یا اُن کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے سے قاصر و عاجز دکھائی دے رہی ہے۔

آخر ایسا کیوں ہے؟

نوجوانوں کی نقل مکانی کی کئی وجوہات ہیں جن میں سرفہرست کرپشن اور اقربا پروری ہے جس کے باعث اہلیت (میرٹ) کو خاطر خواہ اہمیت نہ دینا ہے۔ جس ملک میں اہم اور کلیدی عہدوں پر ریٹائرڈ اور بنا اہلیت بھرتیاں کی جائیں اور جہاں حقیقی طور پر ہنر مند اور تعلیم یافتہ افراد خود کو راندۂ درگاہ سمجھ رہے ہوں وہاں معاشی و انتظامی بدانتظامی جیسے بحرانوں کا حل دریافت نہیں ہوسکتا اور یہی وجہ ہے کہ مہنگائی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ بجلی و گیس اور دیگر ضروریات کی قیمتوں میں آئے روز اضافہ اور قومی آمدنی میں مسلسل کمی لمحہ فکریہ ہے۔

پاکستان میں اوسط ماہانہ تنخواہ تقریباً ایک سو پچاسی امریکی ڈالر ہے جو عالمی اجرت کی درجہ بندی میں صرف مصر اور کیوبا سے زیادہ جبکہ دیگر سبھی ممالک سے کم ہے۔ کیا یہ محرک ''برین ڈرین'' کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے کافی نہیں کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ہمارے نوجوان بیرون ملک ملازمتی مواقعوں کی تلاش میں رہتے ہیں یا اچھے خاصے پڑھے لکھے نوجوان بیرون ملک معمولی ملازمتیں کرنے کو بھی ترجیح دیتے ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ پاکستان ایک ایسا ملک ہے جو قدرتی خوبصورتی اور معدنی وسائل سے مالا مال ہے۔ دریا، پہاڑ، صحرا اور ایک لمبی ساحلی پٹی کے علاوہ موسمیاتی خوبیوں سے مالا مال ہونے کے باوجود یہاں کے رہنے والوں کی اکثریت مستقبل سے نا اُمید ہے۔ امید کا یہ بحران معاشرے کی ہر سطح پر پایا جاتا ہے اور اِس سے کم و بیش سبھی طبقات متاثر ہیں۔ کسی بھی ملک کے لیے اُمید کی علامت اُس

کی قیادت یعنی قائدانہ صلاحیت و ذہنیت ہوتی ہے جو اعتماد، امید، یقین اور ہمت جیسے خواص پیدا کرتی ہے۔ پاکستان کے معاملے میں دیکھا جائے تو اِن سبھی محرکات کی کمی دکھائی دیتی ہے۔ امید کا یہ بحران انتہائی خطرناک اِس لیے بھی ہے کیونکہ اِس سے معاشرتی انحطاط اور ریاستی ڈھانچے کی کمزوری عیاں ہو رہیں ہیں۔

جاپان، جرمنی، چین، روس حتیٰ کہ پاکستان سے کم وسائل رکھنے والے سری لنکا اور بہت سے دیگر مما لک کی مثالیں دی جاسکتی ہیں جہاں طویل عرصے تک اُمید کا بحران رہا لیکن اِن مما لک نے قومی ترقی اور قومی معاشی استحکام کو ترجیحات میں سرفہرست رکھا اور یہی وجہ رہی کہ اِنہوں نے اپنے نوجوانوں کی صلاحیتوں پر اعتماد کیا، اُن کی سرپرستی کی اور ’مایوسی‘ کو امید سے بدل دیا۔

امید کا یہ بحران موجود ہے اور اِس سے بھی خطرناک بات یہ ہے کہ سرنگ کے آخری سرے پر روشنی کی کرن بھی دکھائی نہیں دے رہی۔ گورننس کا بحران، قانون کی حکمرانی کی عدم موجودگی، معیشت کی کمزوری، سیاسی عدم استحکام اور کام کی اخلاقیات میں کمی، ریاستی اداروں کی کارکردگی پر منفی اثرات جیسے محرکات کو نہ تو نظرانداز کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی نظرانداز کیا جانا چاہیے۔

پاکستان کی ترقی اور خوشحالی کو یقینی بنانے کا واحد راستہ امید کے موجودہ بحران پر قابو پانا ہے۔ جب دولت اور طاقت کے مالک اپنے ملک میں سرمایہ کاری کرنے کی بجائے بیرون ملک جائیدادیں خریدتے ہیں اور تعلیم یا ہنر رکھنے والے بیرون ملک بہتر مستقبل کی تلاش کرتے ہیں تو یہ امید کے بحران میں مزید اضافے کی طرف اشارہ ہے جس نے قوم کو طویل عرصے سے جکڑ رکھا ہے اور قومی قیادت کے لیے اِس دلدل سے نکلنے کی واحد صورت ’نوجوانوں‘ کی توقعات پر پورا اُترنا اور اُن کی ضروریات پورا کرنا ہے، بقول ساحر لودھیانوی

کچھ اور بڑھ گئے ہیں اندھیرے تو کیا ہوا
مایوس تو نہیں ہیں طلوع سحر سے ہم

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سلطان محمود ہاشمی

رکھیں جو نکیرین تقاضا میرے آگے
سرکارِ دو عالم کا ہو چہرہ مرے آگے

دربارِ نبی سے مُجھے خیرات ملی ہے
کیا چیز ہیں اب سنجر و دارا مرے آگے

اب کعبے کے کعبے کی طرف محوِ سفر ہوں
کعبہ میرے پیچھے ہے مدینہ مرے آگے

جب آلِ پیمبر کا دیا واسطہ میں نے
مانگا جو خُدا سے وہ پڑا تھا مرے آگے

طوفان میں کشتی ہو تو بس ذکر نبی سے
آ جاتا ہے خود چل کے کنارا مرے آگے

جب ذکر کروں انکے پسینے کی مہک کا
جُھک جاتا ہے گلزار ہی سارا مرے آگے

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم جیسے ہیں آقا
لائیں تو سہی آپ کے جیسا مرے آگے

سلطانِ دو عالم سے ملی بھیک ہے جب سے
سلطان بھی کر دیتے ہیں کاسہ مرے آگے

گذشتہ سے پیوستہ

انوارِ غوثیہ شرح الشمائل النبویہ

قطب الاقطاب شیخ القرآن والحدیث
حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

حدیث نمبر ١٣/١٥٦: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا قَرَّبَتْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ جَنْبًا مَشْوِيًّا فَأَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ

ترجمہ: ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہلو کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا۔ اسے تناول فرمایا پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔

حل لغات: جَنْبًا: پہلو، پہلو کا گوشت۔ مَشْوِيًّا: بھنا ہوا، بھونا ہوا بریان شدہ۔

تشریح: ارشاد ہے ''پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا'' علامہ البیجوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اس میں دلیل ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا''۔ **و هو قول الخلفاء الأربعة و الأئمة الأربعة** ''اور یہی خلفاء اربعہ اور ائمہ اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ارشاد ہے کہ اور وہ جو ہے کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے منسوخ ہے۔''

حدیث نمبر ١٤/١٥٧: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ أَكَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ شِوَاءً فِي الْمَسْجِدِ

ترجمہ: عبداللہ بن الحارث سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسولِ خدا ﷺ کے ساتھ مسجد میں بھنا ہوا گوشت کھایا۔

حل لغات: شَوَاءٌ: بھنا ہوا گوشت۔

تشریح: اس حدیث شریف سے مسجد میں باہم بیٹھ کر کھانا کھانے کا جواز نکلتا ہے بشرطیکہ اس کھانے سے مسجد ملوث نہ ہو یعنی مسجد کے فرش پر اس کھانے سے کوئی خرابی نہ ہو، حضرت علامہ ملا علی قاری رحمہ الباری تحریر فرماتے ہیں:

"فِيهِ دَلِيلٌ لِجَوَازِ أَكْلِ الطَّعَامِ فِي الْمَسْجِدِ جَمَاعَةً وَفُرَادَى وَمَحَلُّهُ إِنْ لَمْ يَحْصُلْ مَا يُقَذِّرُ الْمَسْجِدَ، وَإِلَّا فَيُكْرَهُ أَوْ يَحْرُمُ"

''مسجد میں اکٹھے یا اکیلے کھانا کھانے کا اس حدیث میں جواز ہے بشرطیکہ ریزہ وغیرہ سے مسجد خراب نہ ہو اگر ہو تو مکروہ ہے یا حرام''

حدیث نمبر ۱۵ / ۱۵۸: حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ قَالَ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ أَبِي صَخْرَةَ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ ضِفْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَأُتِيَ بِجَنْبٍ مَشْوِيٍّ ثُمَّ اَخَذَ الشَّفْرَةَ فَجَعَلَ يَحُزُّ فَحَزَّلِي بِهَا مِنْهُ قَالَ فَجَاءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلٰوةِ فَأَلْقَى الشَّفْرَةَ فَقَالَ مَا لَهُ تَرِبَتْ يَدَاهُ قَالَ وَ كَانَ شَارِبُهُ وَ قَدْ وَفٰى فَقَالَ لَهُ اَقُصُّهُ لَكَ عَلٰى سِوَاكٍ اَوْ قُصُّهُ عَلٰى سِوَاكٍ

ترجمہ: مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک رات حضور پاک ﷺ کے ساتھ میری دعوت کی گئی، کھانے میں پہلو کا بھنا ہوا گوشت لایا گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک بڑی چھری لی، اس

چھری سے بھنے ہوئے گوشت کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر مجھے مرحمت فرمارہے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ بلال آ گیا اور اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز کے تیار ہونے سے مطلع کیا تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھری ہاتھ سے رکھ دی اور فرمایا کیا ہوا اسے دونوں ہاتھ اس کے خاک آلود ہوں، راوی کہتا ہے کہ اس کی دونوں مونچھیں بڑھ گئی تھیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لاؤ ان کو مسواک پر رکھ کر کتر دوں یا کتر دو ان کو مسواک پر رکھ کر۔

حل لغات: ضِفْتُ: میں مہمان ہوا۔ اَلشَّفْرَۃ: بڑی چھری۔ یَحُزُّ: وہ کاٹتے تھے حِزٌّ سے ہے جس کا معنی کاٹنا یا گوشت کاٹنا ہے۔ شارب: مونچھیں۔ قصّ: کترنا۔ وَفٰی: بڑھ گئی تھیں۔

تشریح: بقول علامہ البیجوری رحمۃ اللہ علیہ یہ ضیافت ضباعہ بنت الزبیر کے گھر پر تھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع مہمانوں کے ان کے گھر تشریف لے گئے جن میں مغیرہ بن شعبہ بھی تھے۔ دعوت میں پہلو کا بھنا ہوا گوشت جو کہ سرورِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت پسند ہوا کرتا تھا پیش کیا گیا۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تالیف قلب اور مروت کے طور پر چھری سے کاٹ کاٹ کر مہمانوں کے سامنے رکھتے جن میں مغیرہ بن شعبہ بھی تھے۔ دریں اثناء جناب بلال رضی اللہ عنہ نے آ کر نماز کی تیاری کی اطلاع دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانا چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اے بلال ''تو فقیر ہو جائے'' تجھے دیکھنا چاہیے تھا کہ ہم لوگ کھانا کھا رہے ہیں۔ اس فقرے سے تنبیہ مراد ہے۔ صاحب ''لغات الحدیث'' جلد اوّل کتاب ت صفحہ ۹ پر تحریر کرتے ہیں، یہ عرب کا ایک محاورہ ہے اس سے بددعا مقصود نہیں ہے، صاحب ''اتحافات الربانیہ'' ۲۱۹ پر لکھتے ہیں

"وجری علی ألسنة العرب لمجرد اللوم لا للدعوة علیه"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو جناب بلال رضی اللہ عنہ کی مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، فرمایا ''لاؤ ان کو مسواک پر رکھ کر کتر دوں، یا خود مسواک پر رکھ کر کتر دو'' اس حدیث شریف کے اس ٹکڑے سے ثابت ہوا کہ مونچھیں کتروانا سنّت ہے، علماء کا ایک گروہ یہ فرماتا ہے کہ مونچھوں کا منڈوانا سنّت ہے مگر اکثر علماء کی یہ تحقیق ہے کہ کتروانا سنّت ہے۔ (جاری ہے)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

علامہ زید گل خٹک

آپ کا نام نامی عبدالکعبہ، عبداللہ بن ابو قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو التیمی القریشی ہے۔ والدہ کا نام سلمٰی بنت صخر بن عامر تھا۔ ۵۷۴ء کو مکہ مکرمہ میں تولد ہوئے اور قمری تقویم کے حساب سے ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ ہجری کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اس طرح آپ نے دارِ فانی میں تقریباً اتنی ہی عمر گزاری جتنی عمر سعید باعث حرف کن فکاں رسولِ انس و جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بسر فرمائی۔

آپ کی ازواج میں قتیلہ، ام رومان اور حبیبہ بنت خارجہ شامل ہیں۔ اولاد میں عبدالرحمٰن، عبداللہ، محمد، اسماء اور ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہم مشہور ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی بچیوں میں حضرت ام کلثوم بھی ہیں جن کا نکاح حضرت عمر بن خطاب سے ہوا تھا۔ واضح رہے کہ ام کلثوم (آمنہ) بنت علی علیہ السلام کا نکاح حضرت محمد بن جعفر الطیار سے ہوا تھا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا شمار قریش کے متمول افراد میں ہوتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ صاحب ثروت اور حامل جود وعطا تھے۔ تجارت میں خوب نام و نفع کمایا۔ آپ رضی اللہ عنہ ایام والخالیہ میں بھی بالیدہ فطرت رہے اور طریق حنفیت پر قائم تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رفاقت کا شرف بھی میسر رہا۔ اعلانِ نبوت کے بعد آپ رضی اللہ عنہ ان اولین اہل مکہ میں شامل تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن اطہر سے معتصم و متمسک ہوئے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بلا حجت دعوتِ حبیب علیہ السلام قبول کی اور ایک تابناک مثال قائم کی۔ مکی دور کے ابتلا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نصرت فرما کر اور ہر موقع پر عزیمت و استقامت کے نقوش مرتسم رکھے۔ کفار نے ایذائیں دیں لیکن آپ رضی اللہ عنہ کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں آئی۔ ہر آن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فدا کار اور جانثار رہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک رہے اور انتظامی امور میں اہم کردار ادا کیا، غزوۂ عسرت (تبوک) میں مالی ایثار کا فقید المثال مظاہرہ کیا۔

آپ رضی اللہ عنہ کی دختر نیک اختر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زوجۂ رسول اور ام المومنین ہونے کا عظیم شرف پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکاحِ سعید کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمر مبارک ۱۹ سال یا بقول بعض ۲۱ برس تھی۔ نو سال والی روایت محض اشتباہ ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے القاب میں صدیق و عتیق شامل ہیں۔ صدیق کا لقب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت کے رہین منت ہے اور عتیق کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا اولین نام عبدالکعبہ رکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کا نام بدل کر عبداللہ رکھا تو آپ عتیق کہلائے۔ بعض نے رقم فرمایا ہے کہ بیت العتیق کعبۃ اللہ شریف کی خدمت کے صلہ میں عتیق کہلائے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ کے والدین اور ذریت سب کو قبول اسلام و ایمان کی عزت نصیب ہوئی۔ آپ کو شتربانی میں مہارت حاصل تھی اس وجہ سے ابوبکر کہلائے۔ واقعہ معراج کی تصدیق کرنے کی وجہ سے بعض کتب میں آپ کا لقب صدیق بھی روایت ہوا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت مونس و شفیق تھے اس نسبت سے آپ کا لقب ''اواہ'' بھی مشہور رہا۔

آپ کو امیر حج بننے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ اپنے آخری دنیوی حیاتِ مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جیش اسامہ میں آپ رضی اللہ عنہ کا تقرر و تعین ایک مجاہد کی حیثیت سے فرمایا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک بڑا امتیاز اہل بیت اطہار علیہم السلام سے مودت ہے۔ ''علی کے چہرہ کو دیکھنا عبادت ہے'' والی حدیث آپ جناب سے روایت ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ کے ارتحال کے بعد اہل ایمان کے انتظامی سربراہ چنے گئے۔ مولی المومنین سیدنا علی علیہ السلام نے بھی امورِ خیر میں آپ کی سرپرستی فرمائی۔

رضی اللہ عنہ و ارضاہٗ

فضائل و خصائص امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد قمر صدیقی قادری

اللہ جل جلالہ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرنے کے لیے آپ کی امت کو جو شرف عطا کیا ہے وہ کسی بھی دوسری امت کے حصے میں نہ آیا۔ دنیا و آخرت کی ہر فضیلت اور ہر سعادت اس امت کے لیے ہے۔ یہ تمام فضائل و خصائص نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی صدقہ میں ملے ہیں۔ تو اب یہ بھی لازم ہے ان کی تفصیل میں جانے سے پہلے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اور آپ کے بے شمار فضائل و خصائص میں سے کچھ کا تذکرہ تبرکاً کیا جائے تاکہ موجب حصولِ سعادتِ دارین ہو۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿المائدة:۱۵﴾

ترجمہ: بے شک تشریف لایا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک کتاب حق کو ظاہر کرنے والی۔

امام المفسرین امام ابن جریر اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''نور سے مراد یہاں ذات پاک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حق کو روشن کیا، اسلام کو غلبہ بخشا اور شرک کو نیست و نابود کر دیا۔ حضور نور ہیں مگر اس کے لیے جو اس نور سے دل کی آنکھوں کو روشن کرتا ہے۔''[۱]

علامہ شوکانی نے اپنی تفسیر ''فتح القدیر'' میں زجاج سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نور سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔[۲] احادیث مبارکہ سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔

[۱] محمد بن جریر طبری، تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن، جلد ۶، صفحہ ۱۰۴، بحوالہ ضیاء النبی، پیر محمد کرم شاہ الازہری، جلد ۵، صفحہ ۴۰)

[۲] محمد بن علی بن محمد الشوکانی، فتح القدیر، جلد ۲، صفحہ ۲۳، بحوالہ ضیاء النبی، جلد ۵، صفحہ ۴۰

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرمایا کہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان، مجھے خبر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کیا پیدا کیا؟ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اے جابر بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ اللہ تعالی نے اپنی قدرت سے جہاں چاہا اس نور کو سیر کرائی، اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت تھی نہ دوزخ، نہ کوئی فرشتہ تھا، نہ آسمان تھا نہ زمین، نہ سورج تھا نہ چاند، نہ جن تھے نہ انسان۔۔۔ یہ طویل حدیث ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سب سے پہلے نبوت سے سرفراز فرمایا اور قرآن مجید میں کئی مقامات پر ''النبی'' کہہ کر مخاطب کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو نبوت سے کب سرفراز فرمایا گیا؟ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیانی مراحل میں تھے۔[2]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے حبیب اور شافع یوم النشور ہیں۔ حدیث مبارکہ ہے

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا کہ چند صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ تھوڑی دیر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لے آئے یہاں تک کہ جب ان کے قریب پہنچے تو انہیں باتیں کرتے ہوئے سنا۔ ان میں سے بعض نے تعجب کا اظہار کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔ پھر دوسرے صحابی نے کہا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اللہ تعالی سے ہم کلام ہونے کی ہونے سے زیادہ عجیب بات تو نہیں۔ ایک صحابی نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ ایک اور صحابی نے کہا اللہ تعالی نے حضرت

[1] عبدالرزاق، المصنف، جلد ۱، صفحہ ۶۳، حدیث نمبر ۱۶۳۔ امام قسطلانی، المواہب اللدنیہ، جلد ۱، صفحہ ۱۷۔ حلبی، السیرۃ، جلد اول صفحہ ۵۰۔ مولانا اشرف علی تھانوی، نشر الطیب، جلد اول، صفحہ ۱۳۔

[2] امام ابو عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی، کتاب المناقب، باب فضل النبی، جلد ۵، صفحہ ۵۷۵، حدیث نمبر ۳۶۰۹۔ امام احمد بن حنبل، مسند احمد، جلد ۴، صفحہ ۶۶، اور جلد ۵، صفحہ ۵۹، حدیث نمبر ۲۳۶۲۰۔ حاکم فی المستدرک، جلد ۲، صفحہ ۶۶۵، ۶۶۶، حدیث نمبر ۴۲۰۹ اور ۴۲۱۰۔

آدم علیہ السلام کو چن لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، سلام کیا اور فرمایا کہ میں نے تمہاری باتیں اور تمہارا اظہار تعجب سنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں، بلاشبہ وہ ایسے ہی ہیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں، بے شک وہ ایسے ہی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں، وہ بھی ایسے ہی ہیں۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا، وہ بھی واقعی ایسے ہی ہیں۔ غور سے سنو! اور میں اللہ تعالی کا حبیب ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ قیامت کے دن سب سے پہلا شفاعت کرنے والا بھی میں ہی ہوں اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائے گی اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں اور سب سے پہلے جنت کی کنڈی کھٹکھٹانے والا بھی میں ہی ہوں۔ اللہ تعالی میرے لئے (جنت کا دروازہ) کھولے گا اور جنت میں داخل فرمائے گا اور میرے ہمراہ فقیر مومن ہوں گے اور مجھے اس بات پر کوئی فخر نہیں ہے اور میں اولین و آخرین میں سب سے زیادہ عزت والا ہوں اور مجھے اس کی کوئی فخر نہیں ہے۔"[1]

اللہ تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سید الانبیاء سید اولاد آدم اور خاتم النبیین کے شرف سے نوازا۔

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں اور میں خاتم النبیین ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، اور میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں ہے۔"[2]

---

[1] امام ابوعیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی، کتاب المناقب، باب فضل النبی، جلد ۵، صفحہ ۵۸۷، حدیث نمبر ۳۶۱۶۔ الدارمی فی السنن، باب ۸، ما اعطی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الفضل، جلد ۱، صفحہ ۳۹، حدیث نمبر ۴۷۔

[2] الدارمی فی السنن، باب ۸، ما اعطی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الفضل، جلد ۱، صفحہ ۴۰، حدیث نمبر ۴۷۔ طبرانی، المعجم الوسط، جلد ۱، صفحہ ۶۱، حدیث ۱۷۰۔ بیہقی، کتاب الاعتقاد، جلد ۱، صفحہ ۱۹۲۔ ذہبی، سیر الاعلام النبلا، جلد ۱۰، صفحہ ۲۲۳۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات فضائل کو امام بوصیری[۱] نے ''قصیدہ بردہ'' کے اشعار میں یوں پرویا

مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ وَ الثَّقَلَيْنِ
وَ الْفَرِيْقَيْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّ مِنْ عَجَمٍ

یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات دنیا و آخرت، جن و انس اور عرب و عجم دونوں جماعتوں کے کردار اور ملجاء ہیں۔[۲]

فَهُوَ الَّذِيْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَ صُوْرَتُهُ
ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِيْبًا بَارِءُ النَّسَمِ

ترجمہ: پس آپ ہی کی ذات مقدس ہے جو اپنے ظاہری کمالات اور باطنی ترقیوں میں مکمل ہیں اور خالق ارواح نے جن کو محبوبیت کے لئے چنا۔[۳]

(جاری ہے)

---

[۱] محمد بن سعید المعروف بہ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ، یکم شوال ۸۰۶ ہجری بمطابق ۷ مارچ ۱۲۱۳ء میں مصر کے قصبہ دُلاس میں پیدا ہوئے۔ حضرت ابو عباس احمد المرسی (المتوفی ۶۸۶ھ) کے مرید تھے۔ علومِ عربیہ کے متبحر عالم اور فصاحت و بلاغب میں اپنے زمانہ میں بے مثال تھے۔ آپ سلاطین و امراء کی منقبت اور قصیدہ گوئی میں خاص طور پر حصہ لیتے اور ان کے اعداء کی ہجو میں رجز اور قصائد لکھا کرتے تھے۔ ایک روز دربار سلطانی سے واپسی پر ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے علامہ بوصیری سے سوال کیا کہ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کبھی خواب میں بھی زیارت کی ہے یا نہیں؟ آپ نے عرض کیا کہ میں آج تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف نہیں ہوا۔ علامہ فرماتے ہیں کہ اُسی شب خواب میں جمالِ جہاں آرا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جماعت صحابہ کے ساتھ اس شان سے دیکھا جیسے چاند ستاروں میں۔ جب آنکھ کھلی تو میں نے اپنے دل کو اس ہستی مقدس کی محبت سے مملو اور زیارتِ بابرکت کے سرور سے مسرور پایا۔ اس کے بعد ایک روز اچانک مجھے فالج اور میرا نصف حصہ بے حس ہو گیا۔ اسی حالت میں یہ قصیدہ لکھا تا کہ اس بابِ شفاء سے اپنے لیے شفا طلب کروں۔ فارغ ہونے کے بعد جب سویا تو خواب میں اس مسیح کونین، شفائے دارین کی زیارت سے مشرف ہوا اور اسی عالم رویا میں میں نے یہ قصیدہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پڑھا۔ قصیدہ کے اختتام پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے اعضائے حقیرہ پر اپنا دست نوری پھیرا، جب آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ کو بالکل صحت یاب پایا۔ (علامہ ابوالحسنات محمد احمد قادری، شرحِ قصیدہ بردہ، صفحہ ۸، ۲۲، ۲۳)

[۲] علامہ ابوالحسنات محمد احمد قادری، شرحِ قصیدہ بردہ، صفحہ ۹۰

[۳] علامہ ابوالحسنات محمد احمد قادری، شرحِ قصیدہ بردہ، صفحہ ۱۱۰

فکر اقبال کا ایک نادر مخفی مآخذ

سید محمد انور شاہ قادری بخاری

فکر اقبال میں اسلامی علوم وفنون کے ساتھ ساتھ مشرقی اور مغربی فلسفہ کا حسین امتزاج موجود ہے۔ نیز اس میں جو بے پناہ وسعت وتنوع اور گہرائی پائی جاتی ہے اس کے پیش نظر جہانِ اقبال شناسی سے تعلق رکھنے والے اکابرین اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ اگرچہ اقبالیات پر کافی کام ہو چکا ہے لیکن اس پر تحقیق کی ضرورت وگنجائش اب بھی موجود ہے اور مستقبل میں بھی رہے گی۔

اس ضمن میں ایرانی اقبال شناس ڈاکٹر علی احمد رجائی کا یہ ارشاد بڑا معنی خیز ہے کہ

''اقبال ایک نو دریافت شدہ براعظم کی مانند ہے جس میں کتنی ہی دلآویز اور قابل غور چیزیں ہنوز بحث طلب ہیں۔''[۱]

یہی بات جگن ناتھ آزاد نے اس انداز سے کی ہے کہ

''اقبال ایک ایسا سمندر ہے کہ اس میں گوہر شناس غواص کیلیے ہر بار ایک نیا موتی نکال لانا دشوار کام نہیں، ہاں دشواری یہ ہے کہ اس سمندر کی گہرائی بہت زیادہ ہے''[۲]

اور پھر موصوف اس سمندر میں غوطہ زنی کی تلقین کرتے ہوئے کہتے ہیں

''اور اس کے لیے ضروری ہے کہ اقبال کی زندگی، شخصیت اور شاعری کے ہر گوشے پر کھل کر بات کی جائے۔''[۳]

دراصل اقبال کے بعض کلام کے معانی ومفہوم پردۂ اخفا میں ہیں۔ اس کا اعتراف خود اقبال نے بھی کیا ہے بلکہ اس کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے کہ

۱: سلیم اختر، ڈاکٹر، اقبال اور ہمارے رویے، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۵ء، صفحہ ۱۹۴

۲: سلیم اختر، ڈاکٹر، اقبال اور ہمارے رویے، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۵ء، صفحہ ۱۴ (دیباچہ از جگن ناتھ آزاد)

۳: سلیم اختر، ڈاکٹر، اقبال اور ہمارے رویے، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۵ء، صفحہ ۱۴ (دیباچہ از جگن ناتھ آزاد)

''میں شاعری میں ایک حد تک اخفاء و ابہام کا عنصر پسند کرتا ہوں کیونکہ مبہم و مخفی پیرایہ جذباتی اعتبار سے عمیق (گہرا) وغائر (وسیع) معلوم ہوتا ہے۔''[۱]

جگن ناتھ آزاد نے اقبال کا یہ اعتراف نقل کرنے کے بعد اس پر یوں تبصرہ کیا ہے کہ

''اخفا وابہام کا عنصر اقبال کی شاعری کی جان ہے۔''[۲]

ڈاکٹر سید عبداللہ اقبالیات پر تحقیق کی ضرورت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''اقبالیات پر کام کے وسیع میدان کھلے ہیں، آج تک اقبال پر اور ان کے کلام کے موضوعات پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے مگر اقبالیات کا موضوع ابھی تک تشنہ ہے۔''[۳]

سید صاحب نے اس سلسلے میں پانچ موضوعات کی نشاندہی فرمائی ہے جن پر کام کرنے کی ضرورت ہے اور ان پانچوں میں سب سے پہلے نمبر پر آپ نے ''اقبال کے مآخذ کا مسئلہ'' محققین کے سامنے رکھا ہے۔[۴] اس سے اندازہوتا ہے کہ فکر اقبال کے مآخذ کی تحقیق سب سے زیادہ اہم اور مقدم ہے۔

فکر اقبال کے سدا بہار موضوعات: اقبالیات کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ توحید، خودی، عشق اور فقر و درویشی وہ مرکزی موضوعات ہیں جو کلامِ اقبال میں اول تا آخر سرسبز و شاداب گلستان کی طرح لہلہا رہے ہیں۔ اگرچہ بعض افکارِ اقبال میں وقت کے ساتھ تبدیلی بھی نظر آتی ہے لیکن یہ اٹل اور سدا بہار حیثیت رکھتے ہیں جو مسلسل اہل فکر و نظر کی مشامِ جاں کو معطر کیے جا رہے ہیں۔

توحید: پروفیسر این میری شمل (سابق صدر شعبۂ شرقیہ بون یونیورسٹی جرمنی) اپنے ایک مضمون بعنوان ''اقبال کا تصورِ توحید'' میں ایک چشم کشا نکتے کی طرف توجہ مبذول کرواتے ہوئے لکھتی ہیں

''مولانا رومی اور عبدالقادر جیلانی وغیرہ کی عظیم روایات سے اقبال وفادارانہ طور پر وابستہ نظر

۱: سلیم اختر، ڈاکٹر، اقبال اور ہمارے رویے، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۵ء، صفحہ ۲۰ (دیباچہ از جگن ناتھ آزاد)
۲: سلیم اختر، ڈاکٹر، اقبال اور ہمارے رویے، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۵ء، صفحہ ۲۰ (دیباچہ از جگن ناتھ آزاد)
۳: عبداللہ قریشی، آئینہ اقبال، آئینہ ادب لاہور، ۱۹۶۷ء، صفحہ ۴۸
۴: عبداللہ قریشی، آئینہ اقبال، آئینہ ادب لاہور، ۱۹۶۷ء، صفحہ ۴۸

آتا ہے۔ جب وہ اس کلمہ توحید کو اپنی شاعری میں ایک خصوصی جگہ عطا فرماتا ہے۔''[۱]

ان دونوں ہستیوں (مولانا روم اور جناب سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمہا اللہ) کی عظیم روایات کے ساتھ اقبال کی وفادارانہ وابستگی کو جسم و روح اور پھول و خوشبو سے تشبیہ دی جاسکتی ہے کیونکہ اول الذکر کا نام لے کر اقبال نے جگہ جگہ ان سے استفادہ کا ذکر فرمایا ہے اور نقادانِ اقبال نے بھی اس پر خوب لکھا ہے اور اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ دیکھنے والوں کی نگاہیں جسم پر ہی ٹکتی ہیں۔ جبکہ آخر الذکر یعنی حضور سیدنا غوث اعظم سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ پر لکھتے ہوئے اقبال نے رمز، اشاریہ اور کنایہ کو شعار بنایا جس کی بدولت اقبال شناسوں کی نظریں کلامِ اقبال کے اندر چھپی اس روح کا نظارہ نہ کرسکیں۔

زیر نظر مقالہ میں کلامِ اقبال کی اسی روح کو آشکارا کرنا مقصود ہے جو تا حال مستور چلی آرہی ہے۔ اس ضمن میں کئی اہل علم جو اقبالیات کا وسیع مطالعہ رکھتے ہیں سے تبادلۂ خیالات ہوا تو ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ فکر اقبال کے اس مخفی مآخذ کے حوالے سے کوئی تحریر نظر سے نہیں گزری۔ پھر اپریل ۲۰۱۸ء میں لاہور جانا ہوا تو وہاں معروف اقبال شناس ڈاکٹر طاہر حمید تنولی صاحب سے ایوانِ اقبال میں ملاقات ہوئی۔ آپ اُن دنوں وہاں بطور ڈائریکٹر خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ انہوں نے بھی نفی میں ہی جواب دیا اور کہا کہ اقبال نے اپنے اردو اور فارسی کے منظوم کلام میں کہیں بھی حضور سیدنا عبدالقادر جیلانی کا نام نہیں لیا ہے البتہ ان کی نثری تحریر میں ایک جگہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر ملتا ہے۔ پھر ایوان اقبال کی لائبریری سے ایک کتاب ''اقبال کے نثری افکار'' نکالی[۲] اور اس کتاب میں اقبال کا ایک مضمون بعنوان ''علم ظاہر و باطن'' نکال کر دکھایا جس میں اقبال لکھتے ہیں

''اکابر اسلام وقتاً فوقتاً مسلمانوں کو رہبانیت کے خلاف متنبہ کرتے رہے مثلاً سید السادات ابو محمد حضرت غوث الثقلین ''فتوح الغیب'' مقالہ ۳۶ میں فرماتے ہیں''۔[۳]

۱: آغا شورش کاشمیری، اقبال پیامبر انقلاب، فیروز سنز لاہور، ۱۹۶۸، صفحہ ۸۱

۲: عبدالغفار شکیل، اقبال کے نثری افکار، انجمن ترقی اردو، (ہند) دہلی۔

۳: اقبال کا یہ مضمون اخبار ''وکیل'' امرتسر میں ۲۸ جون ۱۹۱۶ء کو شائع ہوا جو مذکورہ بالا کتاب کے صفحہ ۱۲۱-۱۲۹ پر دیکھا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر طاہر حمید تنولی صاحب نے اس مضمون کی عکسی نقل راقم الحروف کو مرحمت فرمائی۔

حضرت غوث اعظم کے ساتھ روحانی نسبت: سلسلۂ کلام آگے بڑھانے سے قبل حضور سیدنا غوث اعظم سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اقبال کی روحانی نسبت کا ذکر ضروری ہے۔ کلامِ اقبال سے واضح ہوتا ہے کہ آپ تصوف کے ساتھ گہری عقیدت رکھتے تھے۔ تصوف میں استاذ یا رہنما کو پیر و مرشد کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں جناب محمد دین فوق صاحب نے حکیم الامت علامہ اقبال سے ایک انٹرویو کیا تھا جو گیارہ سوالات پر مبنی تھا اور یہ سوالات تصوف کے بارے میں تھے جن کے علامہ اقبال نے تفصیلی جوابات دیئے جو رسالہ ''طریقت'' کے شمارہ اگست ۱۹۱۴ء میں شائع ہوئے اور عبداللہ قریشی صاحب نے انہیں ''اقبال اور طریقت'' کے عنوان سے اپنی کتاب ''آئینہ اقبال'' میں شامل کیا۔[1] ایڈیٹر جناب محمد دین فوق نے ایک سوال پیر کی ضرورت کے بارے میں کیا تو اقبال نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

> ''پیر و مرشد کی سخت ضرورت ہے اس کے بغیر انسان کوئی صحیح اور کامل راستہ نہیں دیکھ سکتا۔ روحانی فائدہ تو ان بزرگوں سے ان ہی لوگوں کو ہوگا جو اہل دل ہیں جنکے دل میں درد ہے، جنکے قلب میں گرمی ہے اور جنکی روح میں تڑپ ہے لیکن کم سے کم اخلاقی فائدہ تو ہر مرید کو ہو سکتا ہے پیر کی صحبت سے بشرطیکہ پیر دکانداری نہ کرتا ہو''[2]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو درس اقبال نے دوسروں کو دیا کیا خود بھی اس پر عمل کیا یعنی آپ نے کسی سے بیعت کی تھی تو اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد ریاض (صدر شعبۂ اقبالیات علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد) رقم طراز ہیں

> ''علامہ اقبال کے مکاتیب مظہر ہیں کہ انہوں نے تصوف کے سلسلہ قادریہ میں بیعت بھی کر رکھی تھی''[3]

۱: عبداللہ قریشی، آئینہ اقبال، آئینہ ادب لاہور، ۱۹۶۷ء، صفحہ ۲۴۹-۲۶۱۔

۲: عبداللہ قریشی، آئینہ اقبال، آئینہ ادب لاہور، ۱۹۶۷ء، صفحہ ۲۴۹-۲۶۱۔

۳: محمد اقبال، تاریخ تصوف، مرتبہ پروفیسر صابر کلوروی، مکتبۂ تعمیر انسانیت لاہور، ۱۹۸۵ء، صفحہ ۹

(جاری ہے)

غزل

شہنشاہِ سُخن جامیٔ وقت شبیر ساجدؔ مہروی رحمۃ اللہ علیہ

دل کو نہیں سکون میری جاں ترے بغیر
آ جا کہ زندگی ہے پریشاں ترے بغیر

ساغر خموش، جام تہی، میکدہ اداس
سُونی پڑی ہے محفلِ رنداں ترے بغیر

دل چاک، سینہ چاک، جگر چاک، الفراق
ہم ہو گئے ہیں چاک گریباں ترے بغیر

کس سے کہیں جو تو نہ سُنے داستانِ غم
ہم بے کسوں کا کون ہے پُرساں ترے بغیر

پھر دل میں جل سکی نہ کوئی شمعِ آرزو
اس گھر میں ہو سکا نہ چراغاں ترے بغیر

جس سمت دیکھتا ہوں سماں ہے دھواں دھواں
ہر منظر حیات ہے ویراں ترے بغیر

آ جا کہ بُجھ چلے ہیں تمناوں کے دیے
سینے میں دفن ہو گئے ارماں ترے بغیر

تم کیا گئے کہ لٹ گیا سامانِ زندگی
ہم ہو گئے ھیں بے سروساماں ترے بغیر

جیسے فراقِ گُل میں روئے کوئی عندلیب
یوں ساجدِ حزیں ہے غزل خواں تیرے بغیر

شرح در معنیٔ حریت اسلامیہ و سرّ حادثہ کربلا

ڈاکٹر علامہ زید گل خٹک

مرتّب: عمران جاوید

زندہ حق از قوتِ شبیری است
باطل آخر داغِ حسرت میری است

شبیری کی قوت سے حق زندہ ہے اور باطل کا انجام بالآخر حسرت زدہ موت ہے۔

چون خلافت رشتہ از قرآن گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت

جب خلافت نے قرآن سے اپنا رشتہ توڑ لیا تو اس نے آزادی کے حلق میں زہر انڈیل دیا۔

پھر حضرتِ اقبال تاریخ کی طرف جاتے ہیں، امتدادِ زمانہ کی طرف جاتے ہیں، مرورِ زمانہ کی طرف جاتے ہیں۔ یہ عظیم الشان اظہار پسند ایک شعر میں تاریخ کے حال و ماضی و استقبال کو سمو کے رکھ دیتا ہے کہ وہ جو حق تھا بظاہر قلّت کے ساتھ رونما ہوا تھا۔ **وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ** (السباء: ۱۳) یہی تو حق کی پہچان ہے۔ حضرتِ طالوت علیہ السلام کی قیادت میں حزب الشیطان کے ایک سرکش کے مقابلے میں جب حق آراستہ ہوا تو قرآن میں کیا آتا ہے قرآنِ عظیم میں رب جلیل کا ارشاد ہے کہ اُن میں سے کچھ نے فرمایا

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ (البقرۃ: ۲۴۹)

وہ جو **فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ** ہے غلبہ پائے گا **فِئَةً كَثِيْرَةً** پر **بِاِذْنِ اللّٰهِ** اللہ کے اذن سے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کتنے ہیں، (بس) دو ہیں۔ پورا فرعون کا دربار ہے۔ اُس کے عمائدین ہیں اور وہ جادوگر بلائے تھے، وہ ہیں۔ لیکن ربّ جلیل کا وعدہ کس کے ساتھ ہے؟ ہارون علیہ السلام کے سامنے پورا حزب الشیطان آراستہ ہے۔ پورا

باطل صف بستہ ہے۔ فرعون بھی فرعون کے عمائدین بھی۔ اُن کے فوجی عساکر بھی اور اُن کی باقی جتنے بھی وزراء کبراء مشیر، عمائدین، ملاء القوم، سارے کے سارے، جادوگر بھی۔ بس مردِ حق صرف موسیٰ علیہ السلام ہیں اور اللہ کا وعدہ کن کے ساتھ ہے۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى (طٰہٰ: ۶۸) اے موسیٰ آپ فتح یاب ہیں، اس میدان کے فاتح آپ ہیں۔ جہاں تمام بت خانہ اور مردِ حق ہے ایک خلیل۔ عراق میں بھی مردِ حق خلیل ہے، مصر میں بھی مردِ حق خلیل ہے فلسطین میں بھی مردِ حق خلیل ہے۔ خانہ کعبہ میں بھی مردِ حق خلیل ہے۔

تو حضرت نے پہلے تو یہ فرمایا کہ حق اپنے اختصاص کے ساتھ رونما ہوتا ہے، قرآنِ پاک میں جہاں جہاں حق کا ذکر کیا گیا ہے اختصاص کے ساتھ کیا گیا ہے۔ حضرت اور داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے بارے میں کیا فرمایا

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ

شاکرین قلیل ہوتے ہیں، صاحبِ استقامت قلیل ہوتے ہیں، صاحبِ عزیمت قلیل ہوتے ہیں صاحبِ عشق قلیل ہوتے ہیں اور صاحبانِ عشقِ غیور تو بہت قلیل ہوتے ہیں اور صاحبانِ عشقِ غیور کے سردار کی انفرادیت کا عالم کیا ہوگا۔ لیکن نتیجہ مرتّب ہوتا ہے--- زندہ حق از قوت شبیری است--- حق جب زندہ ہوتا ہے تو قوتِ شبیری سے ہوتا ہے۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا **حسین منی وانا من الحسین**۔ یہ مصرع اس حدیث کی شرح ہے۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا **حسین منی** حسین میرا فرزند ہے **وانا من الحسین** اور ہم سب حسین سے ہیں۔

چون خلافت رشتہ از قرآن گسیخت--- خلافت قرآن سے رشتہ رکھتی ہے، خلافت کے ناز و انداز قرآن میں بیان ہوئے ہیں۔ قرآن نے خلافت کا نصاب شائع کیا ہے۔ بڑی اہم بات حضرت اقبال فرما رہے ہیں، خلافت کے بارے میں قرآن اصول و نوادر دیتا ہے۔ سب سے پہلی بات کہ خلافت صفاتِ الٰہیہ کے پرتوات کا اظہار ہے۔ یہ خلافت کی پہلی جسٹی فیکیشن (جواز) ہے۔ خلافت کی دوسری جسٹی فیکیشن کہ خلیفہ شجاع ہونا چاہیے۔ خلافت کی تیسری جسٹی فیکیشن کہ خلیفہ عالم ہونا چاہئے۔ خلافت کی چوتھی جسٹی فیکیشن کہ خلیفہ عادل ہونا چاہیے۔

یہ امام کی خصوصیات ہیں۔امامِ عالی مقام عادل بھی ہیں، امامِ عالی مقام شجاع بھی ہیں، امامِ عالی مقام عالم بھی ہیں، الا امام عالی مقام صفاتِ الٰہی کے پرتوات کا مظہرِ جمیل ہیں۔لہٰذا خلافت آپ کی ہے خلافت کے لیے قرآن نے یہ اوصاف بیان کیے ہیں اور یہ اوصاف اہلِ بیتِ اطہار میں موجود ہیں اور متجلیٰ ہیں۔

خاست آن سر جلوہ ی خیر الامم
چون سحاب قبلہ باران در قدم

تب یہ جلوہ، جو خیر الامم کے تمام جلووں میں سرفہرست ہے، یوں اُٹھا جیسے قبلے کی جانب سے بارش کا بادل

خیر الامم کا وہ جلوہ یہاں حضرتِ اقبال نے امامِ عالی مقام علیہ السلام کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جلوہ کہا ہے۔بس آپ ایک بارانِ رحمت ہیں، سحابِ رحمت ہیں۔بارش کی نسبت کیا ہے؟ بارش کی نسبت رحمت ہے قرآنِ میں ربّ جلیل نے فرمایا کہ یہ ہماری نشانیوں میں سے ہے

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ (البقرہ: ۱۶۴)

یہ سحاب یہ بادل جو زمین اور آسمان کے درمیان مسخّر ہیں پھر وہاں سے بارش برستی ہے۔یہ بارش کیا ہے؟ تم دیکھتے ہو زمین بنجر ہوتی ہے جب بادلوں میں سے پانی نازل ہوتا ہے بارانِ رحمت کا نزول ہوتا ہے تو یہ پھلتی پھولتی ہے، زرخیز ہوتی ہے، شاداب ہوتی ہے اور گل رنگ ہوتی ہے۔پھر اس میں سے طرح طرح کے اناج، طرح طرح کے کھلیان، طرح طرح کے پھول، طرح طرح کی بہاریں پھوٹتی ہیں۔ایک اور جگہ پر رب جلیل فرماتے ہیں

فَانْظُرْ إِلَىٰ آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الروم: ۵۰)

اللہ کی رحمت کے آثار کی طرف دیکھو کہ کس طرح زمین کو بنجر ہونے کے بعد اللہ شاداب کر دیتا ہے۔تو ان آیات سے حضرتِ اقبال نے تمتع کر کے حضرتِ حسین علیہ السلام کی شخصیت رحمت کو بیان کیا ہے کہ آپ خیر الامم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جلوہ ہیں۔وہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آپ رحمت للعالمین کا جلوہ ہیں تو آپ علیہ السلام سراپا رحمت ہیں۔

بر زمین کربلا بارید و رفت

لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

کربلا کی زمین پر برسا، اُس ویرانے میں لالے کے پھول اگائے اور آگے بڑھ گئے۔

اب زمین کربلا میں یہ بارش نازل ہوئی۔ یہ بارش، یہ رحمت کی بارش یہ رحمت للعالمین کا جوجلوہ ہے خاص جلوہ یہ کربلا میں رحمت افزوں ہوااور اثرات پوری دنیا پر پھیل گئے۔ لالہ در ویرانہ با کارید ورفت آپ نے ویرانے میں لالہ اُ گا دیا اور پھر عالم بالا تشریف لے گئے۔ اُس لالہ کی خوشبو سے صرف عالم اسلام ہی نہیں پورا جہان معطّر ہے۔

تا قیامت قطع استبداد کرد

موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد

قیامت تک کے لیے استبداد کی جڑ کاٹ دی، اُس لہو نے ایک نیا چمن پیدا کر دیا۔

اب قیامت تک استبداد قطع ہو گیا۔ مراد یہ ہے قطعِ استبداد کا مطلب کیا ہے کہ استبداد ہر موقع پر پہچان لیا جاتا ہے۔ چونکہ الحمدللہ ہمارے پاس حسینی نور موجود ہے، حسینی مشعل، حسینی چراغ، حسینی شعور۔ اُس نور وشعور کے نتیجے میں ہر زمانے میں لوگ استبداد کو پہچان لیتے ہیں، تمرّد کو پہچان لیتے ہیں، باطل کو پہچان لیتے ہیں اور یہ پورا جو باطلی نظام ہے اس کے حوالے سے کوئی غلط فہمی نہیں رہتی۔

امامِ عالی مقام کا کارنامہ کہ آپ نے حق کو الگ مشخّص کیا اور باطل جتنے بھی لباس اوڑھ لے، جتنا بھی مکر اوڑھ لے جتنا بھی فریب اوڑھ لے، حضرتِ امام عالی مقامؑ نے اُس کو بے نقاب کر دیا۔ یہ ہے قطع استبداد --- موج خون او چمن ایجاد کرد --- اُن کے خون کی موج نے ایسا چمن ایجاد کیا۔ **حسین منّی و انا من الحسین**، ایسا گلستانِ اسلام ایسا چمنستانِ اسلام ایجاد کیا، مراد یہ ہے کہ آپ نے دین کو احیاء دی، آپ نے اقدارِ اسوہ حسنہ کو احیاء دی اور یہ چمن اور اس کی بہار آفریں ہے، یہ خزاں آشنا نہیں ہے۔

(جاری ہے)

سیدنا مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ

ایک ہم درس کی نظر میں

الحاج صوفی مشتاق احمد صاحب صدیقی مرحوم ایک مایہ ناز ماہر تعلیم تھے۔ آپ بانی مدیر اعلیٰ ''الحسن'' کے ہم جماعت، ہم درس اور رفیق تھے۔ لڑکپن سے لے کر عمر کے آخری ایام تک محبت والفت کا یہ رشتہ قائم رہا۔ آپ کی زندگی، افکار و خیالات اور قطب عالم حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ صاحب قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بیتے وقت کے حوالہ سے آپ کی زریں یادوں سے قارئین ''الحسن'' کو مستفید کرنے کے لیے جب ادارہ ''الحسن'' نے انہیں انٹرویو کرنے کے لیے رابطہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ''آپ ایک مفصل سوال نامہ مجھے دے دیں، میں پڑھ کر ان کے جوابات تحریر کردوں گا۔'' چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اب ان کا یہ تحریری انٹرویو قارئین کے پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

سوال: برائے کرم اپنی ولدیت اور خاندان کے بارے میں کچھ بتائیں؟

جواب: میرے والد کا نام مرزا گل محمد اور ''میر'' خاندان سے تعلق ہے اور میری تاریخ پیدائش ۲۰ ستمبر ۱۹۲۱ء ہے۔

سوال: ابتدائی تعلیم کے متعلق تفصیلات بتائیں۔

جواب: قرآن پاک ناظرہ حضرت صاحبزادہ مولانا مولوی حافظ علی احمد جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا اور غالباً پندرہ سال کی عمر میں تکمیل پذیر ہوا۔ اسی طرح پہلی جماعت میں داخلہ گورنمنٹ پرائمری سکول سرکی گیٹ (پشاور) میں لیا۔ پرائمری کا امتحان پاس کرنے کے بعد اسلامیہ ہائی سکول پشاور شہر (حال

گورنمنٹ سیکنڈری سکول نمبر ۳ میں داخلہ لیا اور وہاں سے میٹرک کا امتحان ۱۹۴۰ء میں فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے مالی عدم استطاعت کی بنا پر کالج میں داخلہ نہ لے سکا لیکن حصول علم کے تسلسل کو برقرار رکھنے کی چاہت نے اس نا آسودہ خواہش کو مہمیز لگا کر ترک و فعال بنانے کا پختہ عزم کیا۔ اعلی تعلیم مختلف تعلیمی اداروں میں سروس کے دوران حاصل کی۔ ایف اے، بی اے کی تعلیم کے سلسلے میں کسی کالج کا مرہون منت نہ ہوسکا۔ میٹرک کے بعد سب امتحانات (سوائے بی۔ٹی) تدریس کا پیشہ وارانہ امتحان) پرئیویٹ پاس کیے۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

سن ۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۹ء گورنمنٹ پریس میں بحیثیت کاپی ہولڈر (پرنٹنگ کی ایک برانچ میں) کام کیا۔ اس دورانیہ کے آخری سال گورنمنٹ ٹریننگ سکول (پشاور یونیورسٹی) سے جونیئر اینگلو ورنیکولر کا تدریسی امتحان پاس کیا۔ اس ٹریننگ کے دوران ہی میں نے بفضل تعالیٰ منشی فاضل (فارسی کا اعلیٰ امتحان)، ایف اے انگلش کا امتحان اور ادیب عالم (اردو کا اعلیٰ امتحان) پاس کیے۔ اپریل ۱۹۴۹ء میں گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ا پشاور شہر میں بحیثیت جونیئر اینگلو ورنیکولر (جے اے وی) ٹیچر تعیناتی ہوئی۔ اپریل ۱۹۵۳ء میں گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ۳ میں تبادلہ ہوا۔ وہاں ۱۹۵۵ء میں بی اے انگلش پرائیویٹ پاس کیا۔ سن ۱۹۵۷ء میں گورنمنٹ ٹیکنیکل ہائی سکول گل بہار پشاور میں تبادلہ ہوا۔ ۱۹۵۸ء میں کالج آف ایجوکیشن پشاور یونیورسٹی سے بی ٹی (بیچلر آف ٹیچنگ) کا امتحان پاس کیا۔ پھر ۶۲-۱۹۶۱ء میں گورنمنٹ کالج آف فزیکل ایجوکیشن (والٹن لاہور) میں نو ماہ ٹریننگ کر کے سینئر ڈپلوما فزیکل ایجوکیشن کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد ۱۹۶۲ء میں گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ۳ میں تعیناتی ہوئی۔ وہاں سے ۱۹۶۴ء میں ایم اے اردو کا امتحان پاس کیا۔ دسمبر ۱۹۶۹ء ٹاپ سکیل ۱۷ (گزیٹڈ کیڈر) میں ترقی ہوئی اور گورنمنٹ کمپری ہینسو سکول کوہاٹ میں بطور سبجیکٹ سپیشلسٹ (ماہر مضمون) کے تبادلہ ہوا۔ سن ۱۹۷۰ء میں گورنمنٹ ہائی سکول ادیزئی (نزد متنی) میں بحیثیت پرنسپل تعیناتی کی گئی۔ مئی ۱۹۷۴ء تا ستمبر ۱۹۷۵ء گورنمنٹ ہائی سکول شیر یکرہ میں بطور پرنسپل ڈیوٹی سرانجام دی۔ ستمبر ۱۹۷۵ء میں گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ۴ کاکشال پشاور میں بحیثیت پرنسپل ٹرانسفر ہوئی۔ دسمبر ۱۹۷۶ء سے جنوری ۱۹۷۷ء تک گورنمنٹ ان سروس ٹریننگ

سکول (نزد حاجی کیمپ) میں بحیثیت ماہر مضمون کام کرتا رہا۔جنوری ۱۹۷۷ء میں گورنمنٹ ہائی سکول بڈھ بیر پشاور میں بحیثیت پرنسپل کام کیا۔آخر میں فروری ۱۹۷۷ء میں دوبارہ گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ۴ کاکشال میں بحیثیت پرنسپل تبادلہ ہوا اور ۱۹ ستمبر ۱۹۸۱ء کو مدتِ ملازمت پوری کر کے ریٹائرمنٹ ہوگئی۔

سوال: ملازمت کا آغاز کب کہاں اور کس حیثیت سے کیا۔

جواب: میٹرک کا امتحان پاس کر کے سن ۱۹۴۰ء تا ۱۹۴۱ء کمپٹر ولر آفس (موجودہ آڈیٹر جنرل آفس) میں بحیثیت لوئر ڈویژن کلرک کام کیا۔۱۹۴۱ء کے آخر میں مولانا ابوالاعلی مودودی کا ایک فتویٰ نظر سے گزرا جس میں انہوں نے انگریز کی نوکری کو اسلامی نقطہ نظر سے حرام قرار دیا تھا۔اس فتویٰ سے متاثر ہو کر مستعفی ہو گیا اور قوت لایموت کی خاطر آبائی محلہ بڑھ میں جنرل سٹور کی دکان شروع کی لیکن (اے بسا آرزو کہ خاک شدہ) سرمایہ کی کمی اور پیشہ ورانہ مہارت میں ناتجربہ کاری کی وجہ سے بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔بہ امر مجبوری ۱۹۴۶ء کے آخری ایام میں گورنمنٹ پریس میں جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنے کے لیے بحیثیت کاپی ہولڈر از سر نو نوکری کا آغاز کیا۔گورنمنٹ پریس کی ملازمت کے دوران فن تدریس کا امتحان پاس کر کے محکمہ تعلیم میں ملازمت کا آغاز ۱۶ اپریل ۱۹۴۹ء سے کیا اور ۱۹ ستمبر ۱۹۸۱ء تک سرکاری سکولوں میں ملازمت کی جس کی تفصیل صفحات گذشتہ میں بسلسلہ تعلیم و تدریس کر دی گئی ہے۔

سوال: تعلیمی ادارے میں لائبریری کی اہمیت بتائیں۔

جواب: یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کتابیں انسان کی بہترین رفیق ساتھی اور رہبر ہیں۔ان کی رفاقت، ساتھ اور رہبری میں کسی کجروی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔لہٰذا ان پر بلا خوف و تردد اعتماد کیا جا سکتا ہے، کتابیں کبھی دھوکا نہیں دیتیں البتہ انسان اپنی کم مائیگی، تعصب اور مخصوص و محدود نقطۂ نظر کی وجہ سے اپنے آپ کو اکثر دھوکا دیتا ہے۔کتابیں نہ صرف معلومات میں اضافہ کرتی ہیں بلکہ علم کے حصول میں بھی قابل قدر مدد کرتی ہیں۔نیز تحقیق و تجسس کے شائقین کی رہنمائی انفس و آفاق کی بلند تر حقیقتوں کی طرف کرتی ہیں۔جو خوش نصیب ان سے کما حقہ استفادہ کرتے ہیں وہ یقیناً علم کے میدان میں اعلیٰ و ارفع مقام حاصل کر لیتے ہیں۔

سوال: سکولوں میں بزم ادب کے کردار پر روشنی ڈالیں؟

جواب: بزم ادب طلباء کی خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کر کے انہیں ارتقائی منازل میں مدد دیتی ہے۔ یہ تبھی ممکن ہوسکتا ہے کہ بچے کی شخصیت کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ بچے کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے اس کی جبلی رجحانات کا مطالعہ بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ ماہرین نفسیات کے مطابق بچہ طبعاً تجسس پسند واقع ہوا ہے۔ اس کی جبلت کی دوسری اہم صنف جذبۂ خودنمائی ہے جس کے ذریعے وہ اپنے جذبات کا اظہار کرتا ہے۔ اظہارِ جذبات کرتے وقت وہ چاہتا ہے کہ اپنے ہم عصروں سے بازی لے جائے۔ یہ جذبۂ تقابل (Spirit of competition) اسے فتح ونصرت پر ابھارتا ہے اور کامیابی کی صورت میں احساس تفاخر کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ ان تمام جذبات کے تکمیلی مراحل طے کرنے سے خوداعتمادی کی خصوصیت پیدا ہوتی ہے جو کارزارِ حیات میں کامیابی کے لیے ازبسکہ ضروری ہے۔ بزمِ ادب بچے کی انہی خفتہ صلاحیتوں کو متحرک وفعال بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ایک ماہر نفسیات استاد طلباء کی خفتہ جبلی خصوصیات کو بیدار کرنے کا ہنر بہتر جانتا ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر بزم ادب کا وجود تعلیمی ادارے میں انتہائی اہم ہے۔ اس کی بدولت طالب علم کی شخصیت کامیابی کا رنگ روپ دھار لیتی ہے۔

سوال: تعلیمی انحطاط کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے: اساتذہ، طلباء، والدین یا حکومت پر؟

جواب: دراصل معلمی انتہائی اہم اور معزز پیشہ ہے۔ معلم حقیقی خداوند بزرگ وبرتر کی ذات پاک ہے جس نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن پاک کی تعلیم دی پھر اس معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انبیاء کرام کے بتائے ہوئے راہ ہدایت سے بھٹکے ہوئے انسانوں کو پھر سے رشد وہدایت کی تعلیم دی۔ رسول مکرم ومعظم کے بعد طالبانِ صراطِ مستقیم کی رہنمائی کا فریضہ مشائخ عظام، علماء کرام اور دینی ودنیوی علوم کے ماہرین سرانجام دے رہے ہیں۔ تعلیم وتدریس کا پیشہ جو اتنی عظیم المرتبت ہستیوں سے درجہ بدرجہ گزر کر ہم تک پہنچا ہے اس کے حسن وقبح کی ذمہ داری عناصر اربعہ میں سے کسی ایک پر کلیتہً نہیں ڈالی جاسکتی کیونکہ ہر عنصر کا تعلیمی کارکردگی میں اپنا مخصوص کردار ہے۔ جب تک یہ چاروں عناصر افہام وتفہیم کی راہ اپناتے ہوئے ہم آہنگی کے جذبے سے اشتراک عمل نہیں کرتے تعلیمی انحطاط دور نہیں ہوسکتا۔ (جاری ہے)

استفتاء مع الجواب

مفتی احسان احمد پشاوری

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین بیچ اس مسئلہ کے:

کسی دوسرے کے بچے کو گود لینا؟ گود لیے گئے بچے کی پہچان کیسے ہوگی؟

کیا اس کے والدین کا نام درج ہوگا یا گود لینے والوں کا نام بطور والدین ہوگا؟

اگر بچے کے والدین نامعلوم ہوں تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

اگر گود لی گئی بچی ہے تو بلوغت کے بعد کیا وہ اس گھر میں والد اور بھائیوں کے لیے نامحرم ہوگی اور ان سے پردہ کرے گی؟

اور اگر لڑکا ہو تو وہ بلوغت کے بعد ماں اور اس گھر کی دیگر خواتین کے لیے نامحرم ہوگا اور اس سے پردہ کیا جائے گا؟

مذکورہ بالا سوالات کا جواب شریعت اسلامیہ خصوصاً فقہ حنفی کی روشنی میں دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: اسرار حسین، جہانگیر پورہ پشاور شہر۔

الجواب

سورہ احزاب کی آیت نمبر ۵ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: انہیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے پھر اگر تمہیں ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو دین میں تمہارے بھائی اور بشریت میں تمہارے چچازاد اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو نادانستہ تم سے صادر ہوا، ہاں وہ گناہ سے جو دل کے قصد سے کرو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت میں یہ فرمایا جارہا ہے کہ تم ان بچوں کو ان کے حقیقی باپ ہی کی طرف منسوب کر کے پکارو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے۔ پھر اگر تمہیں ان کے باپوں کی طرف منسوب نہ کرسکو تو

وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں اور انسانیت کے ناطے تمہارے چچا زاد ہیں تو تم انہیں اپنا بھائی اور اے بھائی کہو اور جس کے لے پالک ہیں اس کا بیٹا نہ کہو اور ممانعت کا حکم آنے سے پہلے تو نے جو لاعلمی میں لے پالکوں کو ان کے پالنے والوں کا بیٹا کہا اس پر تمہاری گرفت نہ ہوگی البتہ اس صورت میں تم گناہگار ہو گے جب ممانعت کا حکم آ جانے کے بعد تم جان بوجھ کر لے پالک کو اس کے پالنے والے کا بیٹا کہو۔ اللہ تعالیٰ یہ شان ہے کہ وہ بخشنے والا مہربان ہے اس لیے وہ غلطی سے[۱] ایسا ہو جانے پر گرفت نہیں فرماتا اور جس سے جان بوجھ کر ایسا کیا ہو اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

بچہ گود لینا جائز ہے لیکن یاد رہے کہ گود لینے والے عام بول چال میں یا کاغذات وغیرہ میں اس کے حقیقی باپ کے طور پر اپنا نام استعمال نہیں کر سکتا بلکہ سب جگہ حقیقی باپ کے طور پر اس بچے کے اصل والد ہی کا نام استعمال کرنا ہوگا اور اگر اصل باپ کا نام معلوم نہیں تو اس کی معلومات کروا کر باپ کے طور پر حقیقی باپ کا نام لکھنا ہوگا اور اگر کوشش کے باوجود کسی طرح اس کے اصل باپ کا نام معلوم نہ ہو سکے تو گود لینے والا گفتگو میں حقیقی باپ کے طور پر اپنا نام ہرگز استعمال نہ کرے اور نہ ہی بچہ اسے حقیقی والد کے طور پر اپنا باپ کہے۔ اسی طرح کاغذات وغیرہ میں سرپرست کے کالم میں ہرگز نہ لکھے، اگر جان بوجھ کر خود کو حقیقی کہے یہ لکھے گا تو یہ بھی درج ذیل دو وعیدوں میں داخل ہے۔

احادیث میں ممانعت: حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”جس شخص کو یہ معلوم ہو کہ اس کا باپ کوئی اور ہے اور اس کے باوجود اپنے آپ کو کسی غیر کی طرف منسوب کرے تو اس پر جنت حرام ہے۔“ (صحیح بخاری)

حضرت علی المرتضیٰ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”جس شخص نے خود کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا یا جس غلام نے اپنے آپ کو اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف منسوب کیا اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ قیامت کے دن اللہ اس کا کوئی فرض قبول فرمائے گا نہ نفل۔[۲]

۱: صحیح بخاری، بَاب: مَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ
۲: صحیح مسلم، بَاب تَحْرِيمِ تَوَلِّي الْعَتِيقِ غَيْرَ مَوَالِيهِ

نوٹ: اس سے ان لوگوں کو نصیحت حاصل کرنی چاہیے کہ جو اپنے ہاں اولاد نہ ہونے کی وجہ سے یا ویسے ہی کسی دوسرے کی اولاد گود میں لیتے ہیں اور اپنے زیر سایہ کی پرورش کرتے اور اس کی تعلیم وتربیت کے اخراجات برداشت کرتے ہیں۔ انکا یہ عمل تو جائز ہے لیکن ان کی یہ خواہش اور تمنا ہرگز درست نہیں ہے۔ کہ حقیقی باپ کے طور پر پالنے والے کا نام استعمال ہو اور نہ ہی ان کا یہ عمل جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرما دیا ہے کہ) اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ (الاحزاب: ۵) انہیں ان کے حقیقی باپ ہی کہہ کر پکارو۔

اور احادیث میں ایسا نہ کرنے پر انتہائی سخت وعیدیں بیان ہوگئیں تو کسی مسلمان کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے حکم کے برخلاف اپنی خواہشات کو پروان چڑھانے اور خود کو شدید وعیدوں کا مستحق ٹھہرائے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے و--- آمین!

بچہ یا بچی گود لینا جائز ہے لیکن جب وہ اس عمر تک پہنچ جائیں جس میں ان پر نامحرم مرد یا عورت سے پردہ کرنا لازم ہو جاتا ہے تو اس وقت بچے پر پالنے والی عورت سے اور بچی پر پالنے والے مرد سے پردہ کرنا بھی لازم ہوگا کیونکہ وہ اس بچے کے حقیقی یا رضاعی ماں باپ نہیں اس لیے وہ اس بچے اور بچی کے حق میں محرم نہیں۔ لہٰذا اگر بچہ گود لیا جائے تو عورت اسے اپنا یا اپنی بہن کا دودھ پلا دے، اس صورت میں ان کے درمیان رضاعی رشتہ قائم ہو جائے گا اور محرم ہو جانے کے وجہ سے پردہ کرنا لازم نہیں البتہ یہاں مزید دو باتیں ذہن نشین رہیں:

۱: پہلی صورت یہ کہ دودھ بچے کی عمر دو سال ہونے سے پہلے پلایا جائے۔ اگر دو سے اڑھائی سال کے درمیان دودھ پلایا تو رضاعت ثابت ہو جائے گی لیکن اس کے بعد پلایا تو رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

۲: دوسری صورت یہ کہ عورت نے بچے یا بچی کو اپنی بہن کا دودھ پلوایا تو وہ اس کی رضاعی خالہ تو بن جائے گی لیکن اس کا شوہر بچی کا محرم نہ بنے گا لہٰذا بہتر صورت وہ ہے جو اوپر ذکر کی کہ بچے کو عورت کی محرم رشتہ دار کا دودھ پلوا لیا جائے اور بچی کو شوہر کی محرم رشتہ دار کا تاکہ پرورش کرنے والے پردے کے مسائل میں مشکلات کا شکار نہ ہوں۔

تبصرہ کتب

(نوٹ تبصرۂ کتب کے لیے دو کتابیں ارسال کی جائیں)

عنوان: جمالِ غوثیہ

تالیف: صوفی سید نصیر الدین ہاشمی قادری برکاتی

سال اشاعت: ندارد۔

صفحات: ۲۵۶

ناشر: کتب خانہ امام احمد رِضا خان، دربار مارکیٹ لاہور

تبصرہ نگار: سید محمد انور شاہ قادری بخاری

حضرت علامہ صوفی سید نصیر الدین ہاشمی قادری برکاتی عالم فاضل اور صاحبِ تصنیف شخصیت ہیں۔ سلسلہ عالیہ قادریہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری (بانی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور) کے مرید باصفا ہیں۔ قبل ازیں آپ نے حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و واقعات اور فضائل و مناقب پر ''مظہر جمالِ مصطفائی''، قلم بند فرمائی جو دینی و روحانی حلقوں میں بے حد مقبول ہوئی۔ یہ آپ کی دوسری کاوش ہے جو حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی کرامات پر مشتمل ہے۔ علماء و مشائخ کا اتفاق ہے کہ اولیاء اللہ میں سب سے زیادہ کرامات کا صدور حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

حضور غوث الثقلین سیّدنا شیخ عبدالقادر الحسنی الحسینی رضی اللہ عنہ (۴۷۰ھ-۵۶۱ھ) ایک عظیم دینی و روحانی پیشوا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جلال و جمال، خلق و خُلق اور فضل و کمال کا مظہر اتم تھے۔ ولایت کے تاجدار ہیں۔ آپ کے معروف القابات محی الدین، باز اشہب، محبوب سبحانی، سلطان الفقراء اور غوث اعظم ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہ خود سب سے بڑا فریادرس ہے اور اس مالک حقیقی نے ہی آپ کو یہ

لقب غوث اعظم عطا فرمایا اور پھر اپنی مخلوق کی دادرسی کے لیے آپ کو اس کے لوازمات یعنی علم اور قدرت وتصرف سے بھی بہرہ مند فرمایا اور پھر اس تمام کائنات پر آپ کو قابو عطا فرما دیا۔ فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دستگیری کرنا اس کی ذاتی صفت ہے جبکہ غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی دستگیری کرنا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صفت ہے۔

فاضل مؤلف نے بڑی محنت سے اس کتاب میں حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی کرامات جمع کی ہیں اور انہیں دو ابواب میں تقسیم فرمایا۔ بابِ اول میں پندرہ فصلیں قائم کی گئی ہیں جبکہ باب دوم چھ فصلوں پر مشتمل ہے۔ اگرچہ ان سے پہلے بھی علماء وصلحاء نے کراماتِ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے لیکن کتاب ہذا کی درج ذیل خوبیاں اسے دیگر کتب سے ممتاز کرتی ہیں:

۱: ہر کرامت اردو میں نقل کرنے کے بعد اس کا حوالہ دیا گیا ہے۔

۲: کرامت کی تشریح بھی کی گئی ہے جو اس سے پہلے کسی کتاب میں نہیں دیکھی گئی۔

۳: تشریح میں دیگر مسائل اور کمالات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور اگر یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی معجزے کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے تو اس معجزہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفصیل بھی دی گئی ہے۔

کتاب کے آخر میں مآخذ کے عنوان کے تحت ۲۷ کتب کی فہرست دی گئی ہے جن سے استفادہ کرتے ہوئے اسے مرتب فرمایا گیا۔ اہل علم واہل طریقت خصوصاً سلسلہ عالیہ قادریہ سے نسبت رکھنے والوں کے لیے یہ ایک گراں قدر تحفہ ہے جس کے مطالعہ سے ان کے قلوب میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی عقیدت ومحبت میں مزید تقویت پیدا ہوگی۔

پندرہ روزہ "الحسن" کے ممبرز کو اطلاع دی جاتی ہے کہ وہ ۱۵ جنوری ۲۰۲۵ تک رسالہ کی سالانہ ممبرشپ کی تجدید کروا لیں۔ بصورت دیگر انہیں مجلہ "الحسن" کی ترسیل روک دی جائے گی۔ وہ خواتین وحضرات جنہوں نے جون ۲۰۲۴ کے بعد ممبرشپ کروائی ہے انہیں فی الوقت تجدید کروانے کی ضرورت نہیں۔ نئی ممبرشپ یا تجدید کے لیے سید مسعود الزمان قادری گیلانی سے اس نمبر پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔ 0332-5553125

برائے رابطہ

شاہ محمد غوث اکیڈیمی

کوچہ آقا پیر جان، یکہ توت، پشاور شہر

0332-5553125 | www.alameer.org | info@alameer.org | facebook.com/Alameer.org